تشنگی باقی رہے گی
سعد اللہ شاہ

تُجھ سے ہم گر پیار نہ کرتے اور بتا کیا کرتے
پیاس کا دریا پار کیا تھا ہم نے مَرتے مَرتے

محفل میں یاروں کی تیرا نام بھی لینا چھوڑا
تو ہی بتا اس دُنیا سے ہم اور کہاں تک ڈرتے

فہرست

غزلیات :

نظمیں :

گیت اور نغمے

قلم برداشتہ

"تشنگی باقی رہے گی" میرے سفر کا گیارہواں پڑاؤ ہے۔ منزل کا کوئی نشاں نہیں۔ جھوٹ کے اندر سچ کی تلاش اور سچ کے اندر جھوٹ کی گمشدگی بندے کو لاجواب کر دیتی ہے مگر ایک غیرارادی کاوشِ پنہاں کہیں موجود ہے جو مسلسل عمل میں رہتی ہے میرے ارد گرد پھیلے دائرے مزید پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔ ان دائروں کے پھیل جانے سے مرکزیت کے کمزور ہونے کا خوف میری رُوح کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ میری انگلی ابدی حقیقت کے ہاتھ میں ہے۔ بے شمار افسانوی طاقتیں ہاتھیوں کی طرح میرے اعضاء سے بندھی ہیں۔ یہ آزمائش میرے لیے بہت کڑی ہے میں کیا ہوں، تم کیا ہو اور یہ سب کیا ہے ایک ہی سوچ کے مختلف رُوپ ہیں۔ کوئی بڑا نہیں، کوئی چھوٹا نہیں، اچھا بُرا کیوں پیدا ہوتا ہے۔ آدمی کو خوبصورتی کی پہچان کیوں نہیں رہتی۔ جو مجھے سکھایا گیا میں بھول گیا۔ میں نے اپنا سبق خواہشات میں ڈھال کر یاد کیا۔ میرا حافظہ ذہن سے الگ ہو گیا۔ جو میں یاد کرتا ہوں ذہن میں رہ جاتا ہے محفوظ نہیں ہو پاتا۔

تتلیاں اور پھول میں نے دیکھے ضرور ہیں مگر ان کے رنگ و خوشبو اپنے نہیں،

میری بصارت میری نہیں۔ اس سارے عمل سے کشید ہونے والی خوشی میرے بس میں نہیں۔ سُورج میرا نہیں، شبنم میری نہیں، کسی کی بھی نہیں۔ سُورج کو نکلنے اور شبنم کو اڑنے سے کون روک سکتا ہے —— کنول کو جھیل کے پانی پر کھلنے سے کون باز رکھ سکتا ہے۔

میری سوچ کے پیچھے ضرور کوئی راز ہے جو موت تک راز رہتا ہے۔ یہی راز موت ہے اور یہی زندگی اس کو تلاش کرنے والا مَیں نہیں ہو سکتا —— مَیں بزدل ہُوں، بزدل وہ ہوتا ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ بزدلی اک بھوک ہے جو ساری دُنیا لے کر بھی نہیں بجھتی۔ مَیں بہت بے قیمت ہوں مگر نہ جانے کیوں اپنے قدوقامت کو آتشی عدسے میں دیکھتا رہتا ہوں۔ کوئی مجھ پر ہنستا رہتا ہے۔ مگر میرا مان رکھنے کو چند کھلونے دے دیتا ہے جس سے بہت سے بچے اور بڑے میری طرف کھنچ آتے ہیں۔

سَعْدُاللہ شاہ

۵/۷/۹۳

میرے سارے خواب ہی ٹوٹتے جاتے ہیں
ہاتھ سے سارے جگنو چھوٹتے جاتے ہیں

○
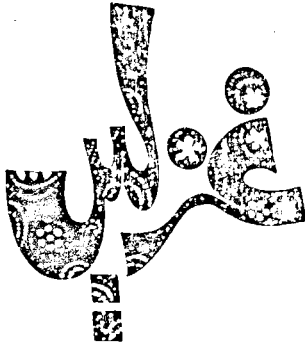
یہ جگ تو ہے ایک کھلونا، اللہ سوہنا
ہونا ہے بس تیرا ہونا، اللہ سوہنا

تیری مثال نہیں ہے کوئی دو عالم میں
کیا ہے چاندی کیا ہے سونا، اللہ سوہنا

میرا دامن دھو ڈالا ہے تیرے ڈر نے
مجھ کو جب بھی آیا رونا ، اللہ سوہنا

تاریکی کے اندر بھی ہے تو ہی روشن
چمکا جنگل کونا کونا ، اللہ سوہنا

جن کو تُو نے درد دیا ہے اچھے ہیں وہ
میری آنکھوں کو بھی بھگونا، اللہ سوہنا

تیرے صدقے آئیں سعد کو باتیں کرنی
باتوں میں پھر بات پرونا، اللہ سوہنا

○

گو دِل نے شہرتوں میں اضافہ کیا بہت
لیکن مَیں اِس کے ہاتھ سے رُسوا ہوا بہت

اُس کی ہر ایک بات میں گرچہ فریب تھا
لیکن مجھے یہ پیار میں اچھّا لگا بہت

گھائل ہوئے ہیں ہم تو یہ اُس کا کمال ہے
اِس میں اگرچہ ہاتھ ہمارا بھی تھا بہت

اُس کی خبر مجھے ہے نہ میری خبر اُسے
ہم کو ہوائے شہر نے رکھّا جُدا بہت

رشتہ جو اُس سے ٹوٹتا تو جوڑتا کوئی
اُس نے معاملات کو اُلجھا دیا بہت

ہم میں تھی کوئی بات یا اک اتّفاق تھا
ٹوٹا تو اور بڑھتا گیا رابطہ بہت

اے سعدؔ کچھ بھی ہو وہ محبّت شناس ہے
ہم نے بھی یار! دیکھا ہے اچھا بُرا بہت

○

ٹھیک کہتے ہو تم بھی مری جاں مگر اشک تھمتے نہیں
ٹوٹ جاتے ہیں جب دل کے دیوار و در اشک تھمتے نہیں

ایک مدت ہوئی تجھ کو بھولے ہوئے لیکن اب بھی کبھی
یاد آتی ہے جب تیری پہلی نظر اشک تھمتے نہیں

وقت لوگوں میں میں نے گزارا بہت ہے مگر کیا کہوں
اپنے اندر کی جب سے ملی ہے خبر اشک تھمتے نہیں

اپنے جذبوں کی شدّت بھی دیکھے کوئی بارشوں میں کبھی
جب مسلسل برستے ہیں گیلے شجر اشک تھمتے نہیں

بات کوئی نہ اب میرے بس میں رہی ایک لذّت ملی
کوئی میرے لہُو میں گیا ہے اُتر اشک تھمتے نہیں

کتنی صدیاں بندھیں میرے پیرُں تلے پھر بھی احساس ہے
منزلیں ہیں وہی اور وہی رہگزر اشک تھمتے نہیں

کیوں ہیں پابندیاں میری پرواز پر سعد بتلاؤ تو
میری آنکھوں میں بُجھنے لگے بال و پر اشک تھمتے نہیں

○

جو دوستوں کو باہمی اقرار سے ملی
ہم کو وہ آشنائی بھی انکار سے ملی

انجام کار اگرچہ ہمارے تھا سامنے
لیکن خوشی تو پیار کے اظہار سے ملی

ہم اپنی دُھن میں مست رہے اسکو کیا خبر
لذّت ہمیں جو زخم کی مہکار سے ملی

اک دائرے میں قید تھیں دونوں کی گردشیں
نکلیں ہم کو وقت کے پرکار سے ملی

تھا عیب اُس میں یہ کہ کوئی بھی کمی نہ تھی
اک تشنگی سی ہم کو بھی شہکار سے ملی

انکار گر کیا تھا تو کافی تھا ایک بار
شہرت ہمارے پیار کو اصرار سے ملی

اے سعدؔ ہم کو خود بھی خبر تک نہیں ہوئی
دل میں چھپائی بات تو اشعار سے ملی

○

درد بس میں نہیں رہا ہو گا
جانے والا چلا گیا ہو گا

دُور بیٹھا ہوں کس قدر خود سے
کوئی نزدیک آ گیا ہو گا

وہ جو ٹوٹا ہے کانچ کے مانند
تیری جانب ہی دیکھتا ہو گا

کیسی خوشبو ہے میری سانسوں میں
دل دریچہ کہیں کھلا ہو گا

چاند ہو گا سُنہرا جُھومر بھی
تیرے ماتھے پہ جب سجا ہو گا

وہ جو سویا تھا یاد میں تیری
تیرے خوابوں میں جاگتا ہو گا

سعدؔ وہ بھی تو میرے جیسا ہے
کچھ نہ کچھ وہ بھی سوچتا ہو گا

○

جانے کیوں اپنی ہنسی آپ اڑانا چاہوں
دِل کی ہر بات زمانے کو سُنانا چاہوں

اُس کو خوشبو کی طرح ساتھ بھی رکھوں اپنے
اور پھر اُس کو زمانے سے چُھپانا چاہوں

کوئی بچّہ مرے اندر بھی چُھپا بیٹھا ہے
رُوٹھ جاتا ہے مَیں جب اُس کو منانا چاہوں

ہے محبّت تو محبّت میں اَنا کیا معنی
مَیں تو مِلنے کو فقط ایک بہانہ چاہوں

ایک مچھلی کی طرح جال میں آیا ہوں مَیں
اور پھنستا ہوں جو اب خود کو چھڑانا چاہوں

ایک اُلجھن میں مجھے ڈال دیا ہے اُس نے
چھوڑ پاؤں، نہ اُسے اپنا بنانا چاہوں

سعدؔ مجھ کو بھی ہیں کچھ یاد پرانی باتیں
بھول کر بھی نہ جنھیں مَیں تو بھلانا چاہوں

○

رُخ پہ ہر شے سجی کمال کی ہے
ہاں یہ صُورت گری کمال کی ہے

میرے اندر لڑائی جاری ہے
آنکھ تجھ سے لڑی کمال کی ہے

دُکھ روتا ہوں پر نہیں بُجھتی
آگ دل میں لگی کمال کی ہے

میرے پہلو میں بیٹھ کر جاناں
تیری پہلو تہی کمال کی ہے

کوئی راجہ نہ کوئی رانی ہے
دل کی بارہ دری کمال کی ہے

بات تو بھی نہ کر سکا اب کے
بات اب کے بنی کمال کی ہے

ہم نے جھانکا ہے اپنے اندر بھی
اور پائی کمی کمال کی ہے

میری باتوں کو تُو نہیں سمجھا
تُو نے یہ بھی کہی کمال کی ہے

ہم سے گو داستان بن نہ سکی
تُو نے پھر بھی سُنی کمال کی ہے

○

کیا کہا، پیار میں رکھا کیا ہے
تو محبّت کو سمجھتا کیا ہے

تُجھ کو یہ بات ہی سُننا تھی فقط
تُو نہیں اچّھا تو اچّھا کیا ہے

نام تیرا ہے نہ میرا اس میں
تُو نے اس خط میں بھی لکھا کیا ہے

چھوڑ کر مجھ کو یہ سوچا تُو نے
جو بھی سُنتا ہے وہ کہتا کیا ہے

مجھ کو احساس ہے تنہائی کا
چار سُو میرے دھواں سا کیا ہے

میرا اصرار کہ اک بات سُنو
تیرا جھنجھلا کے یہ کہنا 'کیا ہے'

سعدؔ کچھ بھی تو نہیں ہے شاید
ہاں، مگر آنکھ میں سمٹا کیا ہے

○

چند لمحوں کے لیے ہی سہی اچھی گزری
یہ محبت بھی ہے دھوکا تو چلو یُونہی سہی

کس قدر تُو نے اذیت میں رکھا ہے مجھ کو
مَیں نے تنہائی میں بھی خود سے کوئی بات نہ کی

جل بُجھی شمع حرارت سے مری سانسوں کی
ورنہ اک شب تو وہ آرام سے جل سکتی تھی

کیا غضب میں نے کیا رات کو سویا کیونکر
خوابِ تعبیر میں آئی نہیں صورت تیری

کتنی بے رُعب نظر آئی بلندی پر بھی
اک ہری شاخ کہ جو پیڑ سے ٹوٹی نہ جُڑی

ہاتھ ہلتے ہی ترا ہم پہ قیامت ٹوٹی
اور تیرے لیے جیسے یہ کوئی بات نہ تھی

سعدؔ دنیا نے ہمیں بات سکھائی خود ہی
کوئی کچھ بھی کہے، ہم نے کبھی پرواہ نہ کی

○

جو شخص بھی ملتا ہے سمجھو کہ پرایا ہے
اِک خواب سے نکلا ہے اک خواب میں آیا ہے

اِک بات جُدا مجھ میں، اک بات جُدا تجھ میں
مَیں سائے سے جلتا ہوں تو آگ کا سایا ہے

پڑھتے ہیں سبھی مجھ کو، سُنتے ہیں سبھی تجھ کو
مَیں نے تجھے لکھا ہے، تُو نے مجھے گایا ہے

آنکھوں میں تری جھلمل، سانسوں میں تری خوشبو
یادوں کے سبھی موسم دل ڈھونڈ کے لایا ہے

ہر بار تو ملتا ہے اک اور حوالے سے
اِک اور طرح تُو نے ہر بار ستایا ہے

اِک بات پہ ہنس دینا اک بات پہ رو دینا
یہ بھی تجھے بھایا ہے وہ بھی تجھے بھایا ہے

اے سعدؔ نہیں رُکتا، روکے سے کوئی جذبہ
کہ راز مرے دل کا اشکوں نے چھپایا ہے

○

جانے کیوں محبّت میں جی بہت بہلتا ہے
یعنی اک مصیبت میں جی بہت بہلتا ہے

جھوٹ بولتا ہوں میں جھوٹ بولتا ہے وہ
پھر بھی اس حقیقت میں جی بہت بہلتا ہے

ہوش کس کو رہتا ہے تیرے پاس آنے پر
لیکن ایسی صورت میں جی بہت بہلتا ہے

جانتا ہوں مشکل ہے جینا اس طرح لیکن

دل کے ٹوٹ جانے پر کیوں نہ مسکراؤں میں
اس کا اس شرارت میں جی بہت بہلتا ہے

خود کو مار لینے کی کیفیت عجب سی ہے
اس کے بعد اذیّت میں جی بہت بہلتا ہے

ہر کسی سے کٹ جانا، اپنے آپ میں رہنا
سعدؔ دل کی صحبت میں جی بہت بہلتا ہے

○

تیری چاہت میں خُدا جانے یہ کیا ہونے لگا ہے
ایک ہلچل سی لہو میں ہے بدن ٹوٹ رہا ہے

عین ممکن ہے کہ تیرے لیے ہوں عام سی باتیں
جن کے باعث مری دنیا میں اے جاں حشر بپا ہے

میرے دل میں بھی کوئی بات تری آنکھ سے ہو گی
تُو جو آنسو کی طرح آ کے مرے دل میں چُھپا ہے

یہ حقیقت ہے تو پھر لوگ بُرا جانتے کیوں ہیں
عشق جس کو بھی ہوا ہے کہاں دُنیا سے چُھپا ہے

اس کا احساس تمہیں بھی نہ ہو شاید مگر اے جاں
اک تعلّق ہے جو اب آ کے ترے ساتھ جُڑا ہے

ایک آنسو جو مری آنکھ سے ٹپکا بھی نہیں تھا
اس میں دیکھا ہے تو یہ سارا جہاں ڈوب گیا ہے

سعدؔ اسے جو بھی ہے کہنا مجھے کہہ کیوں نہیں دیتا
بات سُننے کا مجھے حوصلہ ہے اور بڑا ہے

○

کالا بادل
تیرا کاجل

آنکھ سے اوجھل
دل کی ہلچل

مست ہوائیں
پنچھی پاگل

رُوپ جوانی
پاؤں کی چھاگل

اس کی محبّت
گہری دلدل

کوئی اندر
روئے پل پل

دل جو نہ جانے
اس کا کیا حل

آنکھیں پاؤں
بوجھل بوجھل

○

سوچا ہے اب کے بار تجھے چھوڑ دیں گے ہم
گویا کہ اپنے آپ سے بدلہ بھی لیں گے ہم

مشکل سہی یہ تجربہ لیکن کریں گے ہم
تنہائیوں کو اوڑھ کے زندہ رہیں گے ہم

یادوں میں تیری شام کو نکلیں گے باغ میں
راتوں کو تیری یاد میں گھوما کریں گے ہم

ہم جانتے ہیں آپ کو نازک بہت ہیں آپ
جو بھی پڑے گی آپ پہ اُس کو سہیں گے ہم

ہم بھی اَنا پرست ہیں بس ٹوٹ جائیں گے
لیکن زبان سے نہ کبھی اُف کہیں گے ہم

کچھ بھی نہیں ہے بات تو پھر ختم کیجیے
کچھ ہے تو پھر سُنائیے سب کچھ سُنیں گے ہم

وہ پیار کیا کہ جس میں کوئی امتحاں نہ ہو
اس خار دار راستے پر ہم چلیں گے ہم

○

اُس کے بارے میں سوچنا کیوں
بند غنچے کو کھولنا کیوں

اِس سے بہتر ہے چُپ رہیں ہم
ایک پتّھر سے بولنا کیوں

جان سب کو عزیز ہے جب
اُڑتے جگنو دبوچنا کیوں

اب جو دامن نہیں میسّر
خود کو مٹی میں رولنا کیوں

ہے زمانہ اگر مخالف
اس محبّت میں ڈولنا کیوں

جب تعلّق کسی سے ہو تو
اپنی باتوں کو تولنا کیوں

اس کی خُوشبو ہے زہر تو پھر
اپنی سانسوں میں گھولنا کیوں

○

مجھ کو یوں آواز نہ دو تم اتنی دُور سے یار
میرے اندر اپنا شور ہے، اپنی چیخ پکار

ہوتی ہے جو دل کے اندر بات اسی کو جانو
کیسی قسمیں، کیسے وعدے، کیسے قول قرار

جانے کتنی عمر ہماری اس رستے میں گزرے
عشق حوالہ بن جائے تو رہتا نہیں گھر بار

آنکھیں کھول کے رکھنا بھی تو ایک الگ نشہ ہے
تیری خوشی کے اندر مجھ کو ملے ہیں درد ہزار

تیل جلا تو اس کی لذّت شیشے کے پیچھے پہنچی
اپنے حصّے میں آیا بس اُڑتا گرد، غبار

وقت گزرنے پر یہ ظالم ہم کو اور ستائیں
تصویروں کی رنگینی اور یادوں کی مہکار

سعدؔ کبھی مایوس نہ ہونا لوگوں کی باتوں سے
کیا ان کے اقرار کی وقعت، کیا ان کا انکار

○

اِک دُکھ اپنے 'ہرنے' کا
اِک دُکھ کچھ بھی نہ کرنے کا

اک دُکھ اپنے جینے کا
اِک دُکھ اپنے مرنے کا

اِک دُکھ خالی رہنے کا
اِک دُکھ پُورا بھرنے کا

اُن جانے سے رستے پر
اِک دُکھ پیر کو دھرنے کا

خوشیاں اندر رہ کر بھی
اِک دُکھ یُونہی ڈرنے کا

دل کے اندر پھوٹتا ہے
اِک دُکھ آنکھ کے جھرنے کا

سعدؔ کسی کی یادوں میں
اِک دُکھ آہیں بھرنے کا

○

اس کا یہاں گر آنا جانا بہت ضروری ہے
اپنا بھی پھر کوئی ٹھکانا بہت ضروری ہے

بعض دفعہ تو مل نہیں پاتا وقت سنبھلنے کا
سیدھا اس کو لگے نشانہ بہت ضروری ہے

اس کی جانب جانا ہے پر بات نہیں کرنی
اس کیلئے بھی کوئی بہانہ بہت ضروری ہے

گر چاہو ہر سوچ کھلے اور کھلے بھی گل آسا
پالو کوئی روگ پرانا بہت ضروری ہے

کورا کھیس ہے اپنا جیون جس کیلئے ہر طور
عشق کا تانا حُسن کا بانا بہت ضروری ہے

باتوں سے کوئی بات بنانا آخر آ ہی جائے گا
محنت مارو ایک زمانہ بہت ضروری ہے

اتنی گھٹن میں سعدؔ ذرا سا دل بہلانے کو
کوئی کہانی کوئی فسانہ بہت ضروری ہے

غم دینے والے مَیں ترا احسان مند ہُوں
لیکن نہ آزما کہ اذیت پسند ہُوں

مَیں بھی ہوں بے پناہ مگر اپنے خوف سے
اے دیدۂ جہاں تری پُتلی میں بند ہُوں

نِکلا وہ پست قد کہ کبھی ذہن میں نہ تھا
سوچا تھا ایک دن کہ مَیں کتنا بلند ہُوں

کچھ بھی نہیں ہُوں مَیں بھی چلو مان لیتے ہیں
پھر بھی مَیں اک لحاظ سے تو ارجمند ہوں

میں ڈر رہا ہوں تو بھی مجھے تھوک ہی نہ دے
کڑواہٹیں ہوں جس میں بھری میں وہ قند ہوں

اِک دشتِ بیکراں ہیں سبھی خواہشیں مری
میں سعدؔ راستوں میں کھڑا اک سمند ہوں

○

عشق بِنا تو پیار کے اندر بات نہیں کوئی بنتی
جب تک تیز ہوا نہ ہو اوپر کوئی پتنگ نہیں تنتی

خود ہی سب کو چھوڑ دیا ہے اک دُوجے کی خاطر
پھر جو کسی سے مل لیتے تو پھر سے کسی سے ٹھنتی

اچھا ہے جو پڑھا ہے مجھ کو تو نے علیحدہ کر کے
ورنہ خود سونے کی صورت میری شاعری چھنتی

راتوں کو برساتیں لے کر چلی ہوا جب بَن کی
آگ لگی ہر جانب میرے، پیاس بڑھی اس تَن کی

میری آنکھ رہے گی ہر دم اس کے جادُو اندر
دل بھی ساتھ اُچھلتا جائے کھینچ پڑے جب چُن، کی

ہر اک شے کا لطف بُرا ہے غم ہو یا کہ خوشی ہو
چوٹ پڑی ہے اس تن پر جو مرضی تھی یہ مَن کی

تُو نے خود ہی یار بنائے اپنے گلے سے لگائے
اب تم اپنی بات نہ کرنا بات ہے پاگل پَن کی

راکھ کا ڈھیر ہوں میں مجھ کو ہلاتا کیوں ہے
تو مجھے چھوڑ چکا ہے تو بلاتا کیوں ہے

اس کا تو کام ہے بندے کو جگائے رکھنا
تھپکیاں دے کے مجھے درد سلاتا کیوں ہے

کتنی ٹھنڈک ہے تری بات کے اندر لیکن
بات کرتا ہے تو پھر آگ لگاتا کیوں ہے

مجھ کو پاگل ہی نہ کر دیں کہیں سوچیں میری
دل کے اندر کوئی آتا ہے تو جاتا کیوں ہے

جس کی بُنیاد نہ ہو اپنی زمیں پر قائم
اے مرے دوست تو گھر ایسا بناتا کیوں ہے

یہ تو سچ ہے کہ مجھے بننا ہے کُندن لیکن
تو مگر مجھ کو سرِ عام جلاتا کیوں ہے

جو بدل دیں ترا آنگن ہی کسی صحرا میں
ایسی یادوں کو تو گھر اپنے بساتا کیوں ہے

○

آیا جب میں لہر میں
کُچھ بھی نہ دیکھا زہر میں

گم ہیں لاکھوں گاؤں
کتنی بھیڑ ہے شہر میں

آٹھوں پہر ہیں ملتے
رات کے پچھلے پہر میں

ایک ہی لاش ہے کافی
پھول نہ پھینکو نہر میں

پھر ہے آندھی کالی
اب بھی خوف ہے گھر میں

رکھو یاد ہمیشہ
رب کو نہ دیکھنا قہر میں

شعر مزہ دے اور
ہو گر سعد یہ بحر میں

○

کیوں مرے غم پہ یہ دُنیا روئی
ایسی بھی بات نہیں تھی کوئی

جاگ پائی نہ اگرچہ قسمت
میری خواہش تو نہ پھر بھی سوئی

نہیں دیکھا کہ زمیں کیسی ہے
ہم نے اک آس پہ کھیتی بوئی

دل میں جھانکا تو یہ محسوس ہوا
من پہ اپنے ہے حیا کی لوئی

اُس کے ملتے ہی مجھے ایسے لگا
جیسے مل جائے کوئی شے کھوئی

اس کے دامن کی سیاہی ہم نے
اپنے دامن سے مِلا کر دھوئی

○

یہ نہیں ہے تو پھر اس چیز میں لذّت کیا ہے
ہے محبّت تو محبّت میں ندامت کیا ہے

خُوب کہتا ہے نہیں کچھ بھی بگاڑا اُس نے
ہم کبھی بیٹھ کے سوچیں گے سلامت کیا ہے

سیدھے منہ بات نہ کرنا تو ہے عادت اسکی
ہاں کہو اس کے سوا اور شکایت کیا ہے

اُس نے کچھ بھی نہ کہا اور مَیں سمجھا سب کچھ
اس سے بڑھ کر تُو بتا اور خطابت کیا ہے

خود فریبی میں بھلا کیسے یقین آ جائے
جھوٹ بولا ہے تو پھر اس میں صداقت کیا ہے

دل مچلتا ہے اسے دیکھ کے کیونکر اپنا
اپنے ہونٹوں میں چُھپی اب کے شرارت کیا ہے

اُس نے چُپ چاپ مرا حال سُنا تو بولا
اَب میں سمجھا ہوں محبّت میں خجالت کیا ہے

○

مُجھ پہ کیچڑ نہ اُچھالے مرے دشمن سے کہو
اپنی دستار سنبھالے مرے دشمن سے کہو

وہ عدو میرا ہے اس کو یہ ذرا دھیان رہے
اپنا فتنہ کا ٹھ نکالے مرے دشمن سے کہو

جیت اسکی ہے اگر ہار بھی جاتا ہے وہ
مُجھکو معیار بنا لے مرے دشمن سے کہو

ایک قوّت ہے مری اور مرا بازو ہے
وہ اگر مجھکو اچھالے مرے دشمن سے کہو

آنکھ رکھے وہ مرے دستِ ہُنر پر اپنی
اور مرے عیب نکالے مرے دشمن سے کہو

اسکی پلکوں پہ اتر آئے گی شبنم خود ہی
مجھ کو آنکھوں سے لگالے مرے دشمن سے کہو

سعدؔ مشکل ہو اگر اُس کو کسی لمحے بھی
وہ مجھے پاس بُلالے مرے دشمن سے کہو

○

چاندنی رات ہے مَیں ہوں مری تنہائی ہے
میری آنکھوں میں تری یاد اُتر آئی ہے

ایک چنچل سی ہنسی ہنس کے گزرنا تیرا
خشک موسم میں کوئی بدلی سی لہرائی ہے

خواب جذبوں کو لیے آنکھ میں تکنا تیرا
جو نظر تجھ پہ پڑی ہے وہیں پتھرائی ہے

اک بلندی پہ پہنچ کر مجھے احساس ہوا
جہاں چڑھنے لگو اونچا وہیں گہرائی ہے

یہ الگ بات ہے کیونکر نہیں گونجی اب کے
بات دل نے تو تری آج بھی دہرائی ہے

عشق اپنا ہے کسی بانس کے جنگل کی طرح
ہو محبّت کی ہوا تو یہی شہنائی ہے

تیرے بن کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا اب تو
مَیں نے یہ بات تجھے بارہا سمجھائی ہے

○

تُجھ سے ہم گر پیار نہ کرتے اور بتا کیا کرتے
پیاس کا دریا پار کیا تھا ہم نے مَرتے مَرتے

پیار کی راہ میں خون کا بہنا بن گئی اک مجبُوری
ہر جانب تھے کانٹے بکھرے پاؤں کہاں ہم دھرتے

وحشت میں ہم گھر سے نکلے اور پہنچے صحرا میں
پھرتے رہے ہم تنہا تنہا، ٹھنڈی آہیں بھرتے

محفل میں یاروں کی تیرا نام بھی لینا چھوڑا
تو ہی بتا اس دُنیا سے ہم اور کہاں تک ڈرتے

○

چار سُو اک تیرگی ہے دن گزر جانے کے بعد
روشنی کا پیڑ خوش ہے پھل اتر جانے کے بعد

اِس طرف وارفتگی ہے اُس طرف اک تشنگی
سوچ تجھ کو کیا مِلا ہے پھر اِدھر جانے کے بعد

ہے سمندر کی طرح یہ وقت بھی پھیلا ہوا
ڈوب جانا ہر کسی کو ہے ابھر جانے کے بعد

اپنا مطلب یہ نہیں تھا سعدؔ سب کچھ چھوڑ دیں
اور ہی کچھ بن گئے ہیں ہم سدھر جانے کے بعد

○

آؤ رات کو روشن کر دیں
تیری مانگ میں افشاں بھر دیں

کیا ہے حقیقت، کیا ہے فسانہ
ہم یہ فرق برابر کر دیں

تیری نرم ہتھیلی پر ہم
ایک چراغ آنسو کا دھر دیں

خواب نگر میں رہنے والے
آ جا، خوابوں کو اک گھر دیں

اور بھلا کیا کام ہے ہم کو
ہر دم دل کو تیری خبر دیں

میرے لفظ ہیں سادہ سادہ
کیوں نہ یہ شعر کو دُونا اثر دیں

سعدؔ محبّت میں ترا رونا
سیپ کو جیسے قطرے گہر دیں

○

کچھ بھی نہیں ہے مستقل کر لے یقیں اے خُوبرو
ممکن ہے بھُول جاؤں میں ممکن ہے بھُول جائے تُو

مُجھ کو بھی کچھ کمی نہیں، تجھ کو بھی کچھ کمی نہیں
مُجھ کو ہے تیری آرزو، تجھ کو ہے میری آرزُو

دونوں کو ہے خبر مگر، دونوں ہی مانتے نہیں
مجھ کو ہے تیری جستجو، تجھ کو ہے میری جستجو

○

اس کی خاطر آنکھ میری رات دن روتی ہے کیوں ا

یہ جُدائی اس قدر تکلیف دہ ہوتی ہے کیوں

کیوں تعلّق کٹ چکا ہے میرا ہر انسان سے

سوچ میرے ذہن میں خدشات ہی بوتی ہے کیوں

سعدؔ اس سے پوچھنا صورت بدل لینے کے بعد

دل کے اندر ایک پتھرؔ آنکھ میں موتی ہے کیوں

○

اُس نے غرورِ حسن میں کیا کچھ کہا مجھے

جو جی میں اس کے آیا وہ کہتا گیا مجھے

ٹوٹا کچھ اس کمال سے دل کا یہ آئینہ

بٹ کر جو کرچیوں میں بھی اچھا لگا مجھے

وہ وہ سنائی اس نے تو سن کر مری یہ بات

میری نہیں جو سُننی تو اپنی سنا مجھے

رہتا ہوں اسکی یاد میں دن رات میں بھی گم

اُس سے ملا ہوں میں کہ ملی ہے سزا مجھے

جو کچھ بھی ہو، سو ہو، مگر ایسا نہ ہو کبھی
میری خبر ہو اس کو، نہ اس کا پتہ مجھے

اُس کا ملال کیا جو نہیں اختیار میں
اتنا بھی کیا یہ کم ہے وہ اپنا لگا مجھے

وحشت کہیں اسے یا مرے پاؤں کی طلب
اس کی طرف ہی لے گیا ہر راستہ مجھے

اے سعدؔ! چاہتوں میں بڑا لطف تھا اگر
چاہا تھا جس کو مَیں نے وہی چاہتا مجھے

یہ تو آنکھ کا اِک دھوکا ہے
ورنہ تجھ میں کیا رکھّا ہے

چاہت میں کچھ سمجھ نہ آیا
کون بُرا ہے، کون اچھا ہے

کُس نے کہا تھا پیار کروں میں
یہ بھی تُو نے ٹھیک کہا ہے

میری چاہت، تیری نفرت
مَیں کیسا ہوں، تُو کیسا ہے

شکر کہ اب یہ طے تو ہوا ہے
مَیں جھوٹا ہوں تُو سچّا ہے

مجھ کو تو اپنی خبر نہیں کچھ
تُو ہی بتا دے کیا سوچا ہے

سعدؔ جواب نہیں تھا کوئی
اُس نے کہا جب "تُو میرا ہے"

○

جب تلک اک تشنگی باقی رہے گی
تیرے اندر دلکشی باقی رہے گی

ہو کوئی برباد اس سے تجھ کو کیا
تیرے رُخ پر سادگی باقی رہے گی

تیری خاطر بھول جاؤں گا تجھے
غم کے اندر اک خوشی باقی رہے گی

جھیل آنکھوں میں ہے دیکھا آفتاب
میرے اندر چاندنی باقی رہے گی

مہربانی آپ کی نظرِ [illegible]
ہر طرف اک روشنی باقی رہے گی

مِل بھی جائے گر یہ دُنیا اور تُو
پھر بھی شاید اک کمی باقی رہے گی

○

میری ہستی کسی نشان سے ہے
اک یقیں سا مجھے گمان سے ہے

اپنی طاقت کو کھینچنے کے لیے
تیر لپٹا ہوا کمان سے ہے

اب تعلّق مری اماں کا بھی
ایک گھر سے نہیں مکان سے ہے

آن ٹوٹی ہے بات قسمت پہ
اک شکاری گرا مچان سے ہے

بات دل کی کہاں بیاں ہو گی
صاف ظاہر مرے بیان سے ہے

ہم بھی رہتے ہیں تاک میں اسکی
وہ بھی رہتا اگرچہ دھیان سے ہے

○

اس محبّت کا مجھ کو نہ ہو کیوں یقیں
درد جاتا نہیں چین آتا نہیں

جس کی آنکھوں کا رنگ آسمانی ہوا
اسکی آنکھوں میں جچتی نہیں یہ زمیں

اُس کو چھوڑے ہوئے اک زمانہ ہوا
پھر بھی یادیں کھڑی ہیں وہیں کی وہیں

لوگ جس کو سمجھنا نہیں چاہتے
بات ہم نے وہ رکھی ہے اپنے تئیں

جب محبت نے دل میرا روشن کیا
مجھ کو لگنے لگی ساری دنیا حسیں

اس سے ملتے ہی محسوس ہونے لگا
وہ تو رہتا تھا میرے ہی دل میں کہیں

ایسی بستی میں رہنا پڑا ہے مجھے
جس میں کوئی مکاں ہے نہ کوئی مکیں

لفظ گم ہو گئے ہونٹ ہلنے لگے
سامنے میرے آیا جو زہرہ جبیں

○

کوئی پلکوں پہ لے کر وفا کے دیے
دیکھ بیٹھا ہے رستے میں تیرے لیے

زخم اپنے بھی دل پر لگے تھے بہت
خود ہی بھرتے گئے جب نہ ہم نے سیے

کتنی تیزی سے سب کام بڑھنے لگے
وقت گھٹتا گیا ہر کسی کے لیئے

اپنی مٹھی میں کوئی بھی لمحہ نہیں
اور کہنے کو ہم کتنے برسوں جیے

ٹوٹ جانے کی حد سے گزر آیا ہوں
کوئی آنسو بھی اپنے کہاں تک پیے

سعدؔ ممکن نہیں تھا یقیں عشق میں
یوں تو دل نے بہت ہی دلاسے دیے

سعدؔ لوگوں سے شعروں پہ اُلجھا نہ کر
شعر ہوتا نہیں ہر کسی کے لیے

○

خود کو رکھنا یوں بے قرار سا کیوں
کیوں کسی کا بھی انتظار سا کیوں

اس سے ملنا بھی کیا ضروری ہے
اس کو گزرا ہے ناگوار سا کیوں

کیا تعلّق سمجھ لیا اس نے
آیا آنکھوں میں یہ غُبار سا کیوں

میری چاہت تو عین فطرت ہے
وہ پھر ایسے ہے شرمسار سا کیوں

مجھ کو طاقت ملی جو اُڑنے کی
مجھ پہ کھینچا گیا حصار سا کیوں

عکس پانی سے چُھپ نہیں سکتا
چاند رہتا ہے اشکبار سا کیوں

راکھ اُڑتے ہی پھر لگا اُڑنے
خشک جنگل میں اک شرار سا کیوں

○

ہے جو گلدستۂ الفاظ میں خوشبوئے معانی
یہ اسی خواب پریشاں کی ہے اک رام کہانی

کاش ایسا کبھی ہوتا کہ بُلاتا کوئی مجھ کو
بات سُنتا کوئی اپنی جو کبھی میری زبانی

اس کے پاؤں کا مرے پاس نشاں تک نہیں باقی
اس نے چھوڑی ہے مرے پاس یہی ایک نشانی

یہ ہے دنیا یہاں کچھ بھی نہیں معلوم کسی کو
دانہ پانی نہیں قسمت تو ہے پھر نقلِ مکانی

○

عید کا دن ہے ہمیں آج تو خوش ہونا ہے
یاد کرنا ہے اُسے اور بہت رونا ہے

زندگی اپنی تضادات میں ہوتی ہے بسر
جاگنا ہے کہیں مشکل تو کہیں سونا ہے

اس کی مقدار زمیں پر ہے مگر فصل وہی
کاٹنا ہم کو وہی کچھ ہے کہ جو بونا ہے

○

اس کو جانا تھا گیا
تھا یہ قسمت میں لکھا

مجھ کو کیونکر یہ لگا
میرا سب کچھ ہی لٹا

چپ ہی رہنا تھا بھلا
مَیں کہ رویا نہ ہنسا

ایک آنسو نہ بہا
دل دھڑکتا ہی رہا

ٹوٹ کر شیشہ گرا
لیکن آئی نہ صدا

ہم نے چاہا، سو ہوا
اس سے کیسا ہو گلہ

سعدؔ اچھا یا بُرا
ہم نے کچھ کام کیا

○

کیونکہ خواہش سب کے دل میں رہ جاتی ہے ادھوری
کوئی کبھی ہمیں یاد نہ آیا، کوئی بنا مجبوری

مَیں ہوں بادل وہ ہے چندا، بیچ ہوا کا جادُو
دیکھو کیسی قربت ہے یہ پھیل رہی ہے دُوری

مَیں ہوں ریت کا سُوکھا ساحل اور وہ بپھرا طوفاں
کیسا ہے یہ زُعم ہمارا اور اس کی مغروری

دونوں ملے ہیں اک دُوجے کو، اک دُوجے سے چُھپ کر
سعدؔ ہمارا شروع نہ آخر، ہُوئی کہانی پُوری

○

مری آنکھوں میں ٹھہرو تو ابھی کچھ اور
مجھے خوابوں میں رہنے دو ابھی کچھ اور

کسی کا نام لینا تو بہانہ ہے
تمہاری بات ہے سُن لو ابھی کچھ اور

یہ رسوائی مقدّر ہے تو ملنے دو
نہ گھبراؤ چلے آؤ ابھی کچھ اور

اُسے پوچھو کہ شب کیسے گزرتی ہے
جُدائی جس کو سہنی ہو ابھی کچھ اور

لب دریا کسی نے اک سمندر رکھ دیا ہے
مرے وہموں کو میرے دل کے اندر رکھ دیا ہے

محبوبِ خُدا

اُس کو بھیجا گیا اک عجب رُوپ میں
جیسے بادل کی چھاؤں کڑی دھوپ میں

اس کے آنے سے پیدا ہوئے بحر و بر
یہ زمیں، یہ مکاں، یہ سبھی بام و در

وہ جو آیا تو ہر بات بننے لگی
روشنی رات سے خود ہی چھننے لگی

اُس کو معراج پر بھی بُلایا گیا
آسماں کو زمیں سے سجایا گیا

اس کو دیکھا تو خود مسکرایا خُدا
کس بلندی پہ تھا عشق جلوہ نما
ہر طرف تھی صدا مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ

ابھی ٹھہرو

مری جاں میری مانو تم
ابھی کچھ اور دیکھو تم
ابھی کچھ اور جانو تم

ابھی موسم بدلنا ہے
ابھی سُورج نکلنا ہے
ابھی برفوں کے تودوں کو
پہاڑوں سے پھسلنا ہے
پگھلنا ہے ابھی چاندی کو پانی میں
اُترنا ہے ابھی سونا بھی کرنوں کی روانی میں

ابھی تو جھیل کے اُوپر
کنول کے پھُول کھِلنے ہیں
ابھی اس کے کناروں پہ
کئی اک اجنبی دیسوں کے پنچھی بھی اُترنے ہیں
گزرنے ہیں کئی جھونکے ہواؤں کے
ابھی کچھ پھُول کھِلنے ہیں
ابھی کچھ درد ملنے ہیں
ابھی تو منتظر ہیں ہم کسی اچھی نشانی کے
بہت کردار باقی ہیں ابھی اپنی کہانی کے
مری جاں میری مانو تم
کہ جانے کی نہ ٹھانو تم
ابھی کچھ اور ٹھہرو تم
ابھی کچھ اور جانو تم

آنکھیں جھپکنا مجبُوری ہے

بہت ہی دُور آوازوں سے دُنیا کی
کسی ایسی معطّر خامشی میں ہوں
جو نامعلوم رستوں میں ہے استادہ
مَیں قیدی بن کے بیٹھا ہوں
انھی نظروں کے جادُو میں — جو جھولا سا جھلاتی ہیں
اسے آتے ہُوئے میں دیکھتا ہوں۔ہاں
کسی مبہم کسی بے شکل پردے سے
بڑے انداز سے چلتے ہوئے آتی ہے وہ — دیکھو

چمک اُس شوخ چہرے کی بھلی معلوم ہوتی ہے
بڑی دلکش سی لگتی ہے
کہ جب اُن جھیل آنکھوں پر
بہت لمبی حسیں پلکیں خوشی سے جھلملاتی ہیں
ہوائیں لڑکھڑاتی ہیں —— صدائیں گنگناتی ہیں
اور اس کی ریشمی زلفیں فضا میں لہلہاتی ہیں
بہاریں مسکراتی ہیں
تو اس کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے
کہ اس کے عارض و رخسار سے جیسے طلوعِ صبحِ صادق ہو
کسی معصومیت کی لہر بھی مجھ کو دکھائی دے
وہ شرمائے
مزہ آئے

مَیں کچھ بھی تو نہیں کہتا
مرے ہونٹوں پہ جنبش تک نہیں ہوتی
مَیں اس آواز کے جادُو میں بیٹھا ہوں
ابھی تک وہ نہیں بولی
مسلسل دیکھتا ہوں اس کی صورت کو
مگر آنکھیں جھپکنا بھی ہے مجبوری

اپنی حد سے باہر بات

اِس میں دوش کسی کا نہیں تھا
ہمیں ہی ہوش کسی کا نہیں تھا

اِمکان کا دُوسرا رُخ

بجلی چمکی، سوچیں ٹوٹیں جیسے کچّی گڑیاں
چاروں جانب ٹھنڈی ہوا اور آنکھیں مستی بھریاں
جی چاہے تھا سارے قصّے آج ہی سچّے نکلیں
جُھولے میں اسے لے کر اُتریں لال سنہری پریاں

اُس سے اگلے لمحے پھر میں جاگا اور نہ سویا
آنکھیں بس میں رہیں نہ میری جی بھر کے میں رویا
ہوش آیا تو ہاتھوں میں تھے دو جلتے رُخسار
مری ہُوئی دو روحیں تھیں اور دیواریں مسمار

ناممکن کا ممکن

اس کی بات پُرانی ہوتی جاتی ہے
سب کیلئے کہانی ہوتی جاتی ہے
لوگ اسے اب میرے نام سے جانتے ہیں
دل کی رُت بھی سہانی ہوتی جاتی ہے

ہوش سے اگلی منزل

پہلا پہلا تکنا اپنا اور اس شوخ کے ڈھنگ
امبر سے پھر چھم چھم اُترے نیلے پیلے رنگ
لہو لہو مرے بجلی کوندی رقص چڑھا انگ انگ
جذبے ایسے جاگے اندر ہوا لبادہ تنگ
اِس جانب مرا دل جھومے تھا بن کر مست ملنگ
اُس جانب آواز کسی کی تیز ہوا کے سنگ
مَیں رانجھے کی منگ ہوں لوگو میں رانجھے کی منگ

پچھلی رات کے آنسو

بات ہماری مان لے پیارے
ہم سے نہ ایسے بول
لوگوں کے کہنے میں آکر
تو نہ ہمیں اب رول
پچھلی رات کے آنسو ہیں ہم
پلکوں پر ہمیں تول

خود سے دشمنی

ترے ساتھ ہے کیسا پیار ہمیں، ترے ساتھ ہے کیسی جنگ
ہمیں اپنی سانپ سی چاہت نے ہیں اندر مارے ڈنگ
آندھی بن کر اڑے تھے ہم بھی۔ اور ہوئے پھر تنگ
دیکھو کس جا کٹ کے گریں ہم، ہم ہیں ایک پتنگ

عکس در عکس دو ذاتیں

دیکھے نہ کوئی ظاہر اپنا اندر ڈالے جھات

ہم نے کچھ نہیں باہر رکھا اندر اپنی ذات

جب سے خود کو دیکھا ہم نے سو نہ سکے دن رات

دیواروں کو تکتے رہے اور کر نہ سکے کوئی بات

دل کی عمارت کچّی ہے اور آنکھوں میں برسات

رات گئے ایک سوچ

رات گئے جب پنجرہ کھٹکے دل مرا دھڑ دھڑ دھڑکے

مارا جاتا ہے وہی پنچھی جو رہ رہ کر پھڑکے

غیر تخلیقی لمحے

بے برکت سے ہُوئے ہیں دیکھو
میرے شام سویر
بیٹھا رہتا ہوں مَیں یونہی
کتنی کتنی دیر

تخلیق کے لمحے ایک سوچ

راتوں کے سب تارے ٹوٹے دل سے اٹھی اک ہُوک
کون سُنے گا اپنی یہاں پر کوکوں میں یہ کُوک
دیکھنا وقت نکل ہی نہ جائے ہنسی ہنسی میں تجھ سے
تو کیا جانے سوچ سمے کو دیتا ہے سب کچھ "پھوک"

عورت

ہونٹوں پہ اس کے کھلتی ہنسی ہے
دانتوں پر ہے "سک"
پھر بھی چھپا ہے اس کے اندر
صدیوں کا اک شک

منظر کے ترساویں میں

گرم لہو کی گرمی سے جب چھوڑا ہڈیوں نے "ماس"
پانی پانی ہو گئی آنکھیں رہے نہ ہوش حواس
ہر جانب تاریکی چھائی رستے ہُوئے اداس
پھر بھی ہم نے لگائے رکھی اک چندا کی آس

تم کیا جانو

جب بھی سونے لگوں کمرے میں جاگیں سب دیواریں
کیسی کیسی ڈراؤنی شکلیں آنکھیں پڑی سہاریں
گونگی بہری خاموشی میں ڈوبیں نبضیں دل کی
جی چاہے پھر مر جائیں یا اپنے آپ کو ماریں

تپسیا

برسوں میں نے محنت کی تو
پائی بات اٹل
چاہے منزل کبھی نہ آئے
رُکیے نہ ایک بھی پَل
یا تو کام کو ہاتھ نہ ڈالیں
یا پھر چَل سو چَل
وہ راہیں نہیں منزل ہوتیں
جن پہ جُھکا ہو پھل

جب ہجرت ہی کرنا ٹھہرا
کیوں ہو آج سے کل
سعد آباد ہی رکھنا ہو گر
دل کو رکھیے تھل

تُم

جیسے رنگ گلابوں میں
پہلا عشق حجابوں میں
تم ہو میرے خوابوں میں

جیسے نین شرابوں میں
سچّے لفظ کتابوں میں
تم ہو میرے خوابوں میں

جیسے وہم حسابوں میں
دل کا بھید جوابوں میں
تم ہو میرے خوابوں میں

جیسے جسم شبابوں میں
تازہ خون عذابوں میں
تم ہو میرے خوابوں میں

جیسے چاند سحابوں میں
پیاسی آنکھ سرابوں میں
تم ہو میرے خوابوں میں

بے چینی کی پرچھائیں

ہو جو دُھوپ تو سہہ نہ سکیں
سائے اندر رہ نہ سکیں
اُس تک سے ملے نہ رستہ کوئی
اپنے اندر بہہ نہ سکیں
کسی کو کچھ بھی کہہ نہ سکیں

پچھتاوا

فن سے یاری بڑھائی کیوں
آفت گلے لگائی کیوں
ڈوب کے سوچ میں بن سوچے
اپنی عمر گنوائی کیوں؟

انتباہ

قطرہ قطرہ ملی جوانی جیسے بنے ہے تیل
جس سے ڈرتی ہے یہ دنیا بچوں کا نہیں کھیل
تیرا میرا اک ہونا دو دُنیاؤں کا میل
دیکھنا ڈبہ بھول نہ جانا چلتی جائے ریل

پسِ اضطراب

چاہے اس کو جو بھی سمجھو

ہے تو پاگل پن

دشمنوں کو ہم یار بنائیں

یاروں کو دشمن

موقعے کا زیاں

جانے کدھر سے آئی بدلی سر پر آن کے روئی

وہ کیا جانے کونسی فصل ہے مَیں نے دل میں بوئی

چھُپی ہوئی ہیں ساری باتیں ان لفظوں کے پیچھے

پردہ اُٹھا جب ان لفظوں کا بات ہوئی نہیں کوئی

اثبات

اپنی اپنے ساتھ ٹھنی ہے
کوئی تو بات بنی ہے
اپنے سر پر پیار کی چادر
صدیوں بعد تنی ہے

اِن دِنوں

گھر میں بھی جی نہ لگے ہمارا اور باہر بے چین
ایسے سنائی دیتا ہے ہم کو جیسے کرے کوئی بین
بتلائیں ہم کس کو جا کر کورے ہوئے ہیں نین

سارا علم

یک دم مر جانے کا دھڑکا
ہر دم دل کو لگا رہتا ہے
ایک بٹن کی زد میں ہیں سارے
سارا علم یہی کہتا ہے

تخلیق کا کرب

لفظ نے جب قربانی مانگی دیکھے سال نہ ماہ
چلتے چلتے اپنے آپ سے ہو گئے بے پرواہ
جس جا ہم نے پیر ٹکایا چلنے لگی وہ راہ
دل کہتا تھا موت ہے سر پر کرے نہ کوئی آہ
ڈر ہے دیکھنا بن ہی نہ جائے راہوں میں درگاہ

محاسبہ

کیا بتلاؤں
دُکھ کا لمحہ
مجھ پر کیسے بیتا

کیسا کھیل یہ کھیلا میں نے
ہارا اور نہ جیتا

اندر کی بات

تیرا جینا کیا جینا ہے
تو ہے ڈار سے بچھڑی کونج
سوچ یہی اک بولے اندر
جیسے گُنبد میں اک گونج

بے یقینی میں ایک رنگ

موتی ہوں یا خواب کسی کے
منظر کو چمکا جاتے ہیں
کبھی کبھی وہ ان آنکھوں کو
حیرت سی دکھلا جاتے ہیں
اور کبھی پھر آنسو بن کر
سارے رنگ اُڑا جاتے ہیں

پکّی عمر کی کچّی بات

اس کے غم کا بوجھ عجب ہے
جیسے ننّھے کے کندھوں پر
بھاری بستہ رہتا ہے
اور وہ ہنستا رہتا ہے

یقین کا عرفان

مجھ کو وہم سا ہو جاتا ہے
جیسے دل کچھ کہتا ہے
جو سوچوں گا ہو جائے گا
جی میں یہی ڈر رہتا ہے

مُنکھ اور پنچھی

(کراچی کا ایک منظر)

چاروں جانب بے بس نظریں ہوئیں جگر سے پار
دھرتی نے ہیں سر پہ اٹھائے لاشوں کے انبار
کوئی نہیں وہاں رونے والا چُپ ہیں سب اشجار
دُور اُفق پر اڑتی جائے کُونجوں کی اک ڈار

دیکھنے کا انداز

اپنی اپنی دُنیا
اپنی اپنی ذات
ہاتھ میں اپنے سُورج
آنکھوں میں برسات

مناٹی

ایک ہی جیسی خاموشی ہے ایک ہی جیسی بات
ایک ہی جیسے موسم سارے اِک جیسے دن رات
جانے کدھر گئی وہ پینگھیں، کدھر گئی برسات
میرے اندر ٹوٹتی جائے میری اپنی ذات

گہری چُپ کا شور

ساری رات وہ جاگے گا تو کون سے لمحے سوئے گا

اپنی آنکھوں کو مَل مَل کر کتنی دیر وہ روئے گا

آنکھوں کی اس سُرخی کو پھر کس کس شے سے دھوئے گا

یاد تو اس کو ستائے گی پھر جب بھی وہ چپ ہوئے گا

ننگے اشجار سے کچھ باتیں

ذرا کچھ شام سے پہلے

کسی سنسان رستے پر

شجر سارے برہنہ تھے

عجب پت جھڑ کا موسم تھا

کہ جیسے چار سُو غم تھا

جب اُن کی سمت دیکھا تو

لگایا قہقہہ مَیں نے

کہ وہ بھی میرے جیسے ہیں

مری یہ بات سُن کر وہ

رہے چُپ چاپ کتنی دیر

مگر آہستہ آہستہ
وہاں پھر اک شجر بولا
کسی پر یوں نہیں ہنستے
کسی نے کچھ بھی پہنا ہو
برہنہ پن نہیں جاتا
ہمیں دیکھو بہاروں میں
ہمارا حسن کھلتا ہے
ہماری خوشبوؤں سے ہی
جہاں کا راز ملتا ہے

مگر تم نے نہیں سوچا
کہ کتنے لوگ ہیں تم میں
جو ساری عمر رہتے ہیں

برہنہ اور بے مایا
ہمیشہ اوڑھتے ہیں جو
ہمارا یہ گھنا سایہ
کبھی ہم تو نہیں ہنستے
اور اس کے بعد جھک کر وہ
کچھ اس انداز سے بولا
"تمہاری شان کیا کہنے
تمہاری آن کیا کہنے
تمہارے ہاتھ سے آئے
ہمارے ہار اور گہنے
تمہارے واسطے ہی ہم
یقیں مانو کہ جیتے ہیں
تمہیں تو اپنے مالک ہو"

اجازت ہو تو یہ پوچھوں

"تمہارا بھی تو مالک ہے"

مَیں اتنی بات سُنتے ہی

وہاں سے یوں گزر آیا

کہ جیسے میرے کانوں نے

سُنا کچھ بھی نہیں — کچھ بھی

نہیں کچھ بھول سکتے ہم

مَیں کیسے بھول سکتا ہوں

تری معصوم کاوش کو

کبھی پھُولوں کا گلدستہ

کبھی رنگین پَر لانا

مجھے حیران کر دینا

کبھی تتلی کو چھو لینا تو ڈر جانا

سمٹ جانا

کبھی بادل گرجتے ہی مرا بازو پکڑ لینا

چمٹ جانا — لپٹ جانا — اور اس کے بعد شرمانا
مَیں کیسے بھُول سکتا ہوں
تُو کیسے بھول سکتا ہے
مری رنگین چاہت کو
ترے سپنوں میں آجانا
حسیں بیتاب نظروں میں
محبّت کا سما جانا
کبھی پُرلطف جھونکوں میں ہواؤں کے
تری قربت میں سو جانا
تو کھو جانا حسیں خوابوں کے جنگل میں
مرے سانسوں کی گرمی سے
بھرے جنگل کا جل جانا
مرے دل کا مچل جانا

تُو کیسے بھُول سکتا ہے
مَیں کیسے بھول سکتا ہوں
مری آنکھوں میں دیکھو تم
کہ تم ان میں ہوئے ہو گم

تری آنکھوں میں بھی ہے نَم
ہے مشترکہ ہمارا غم
نہیں کچھ بھول سکتے ہم

خواہش

دیکھ تو بیٹھی ہُوں میں تنہا

آ جا میرے ڈھول

میرے دل کے سب دروازے

اِک اِک کر کے کھول

تیری گواہی دے گی ہر شے

بول اندر سے بول

بظاہر کتنا آساں ہے

بظاہر کتنا آساں ہے

کسی سے بات کر لینا

کسی کی بات سُن لینا

انہی باتوں کے دھاگوں سے

ردائے خواب بُن لینا

مگر تجھ کو خبر کیا ہے

کہ اس کارِ خرابی میں

محبّت کا اثر کیا ہے

بہت سی قیمتی چیزیں
یہاں پر ٹوٹ جاتی ہیں
ہماری خواہشیں ہم پر
پسِ لب مُسکراتی ہیں
ہمارا خُون جلتا ہے
ہمارا دل مچلتا ہے
ہمارا دم نکلتا ہے
کہ ہر اک شے کے ہوتے بھی
ہر اک منظر بدلتا ہے
کسی سے بات مت کرنا
کسی کی بات مت سُننا

بے ارادہ کام

یا ہم میں دَم زیادہ تھا
یا دل ہی اپنا سادہ تھا
ہمیں معلوم کیا ہوگا
محبّت میں جو وعدہ تھا
بہت ہی بے ارادہ تھا

مگر تیرا جو وعدہ تھا
مرے تن کا لبادہ تھا
وہ میرے پاؤں سے چمٹا
مری منزل کا جادہ تھا

مگر اب تو یقیں کر لو
محبّت میں جو وعدہ تھا
بہت ہی بے ارادہ تھا

سایہ

یہ سایہ بھی عجب شے ہے
کبھی آگے، کبھی پیچھے
کسی چکّر میں ہے شاید
(مجھی کو زیر کرنے کے)
کہ مَیں اک روشنی میں ہوں
جہاں سایہ نہیں رہتا
مَیں بچ کر جاؤں کس جانب
وہ میری دُوسری جانب
مرا تاریک پہلو ہے

وہ جب تخلیق ہوتا ہے
مرے باعث ہی ہوتا ہے
اسے یہ زعم کیسا ہے
کہ وہ مجھ سے بڑا ہو کر
مجھے ہی روند ڈالے گا

مگر ایسا نہیں ممکن
وہ میری دسترس میں ہے
مرے پاؤں کے نیچے ہے
مرے اپنے سفر میں ہے
مری تیکھی نظر میں ہے
اور اس سے بھی ذرا بڑھ کر
مری ہی رہگزر میں ہے

احساس

مجھے یوں چھوڑنے والے
کبھی تم نے یہ سوچا ہے
مراسم بھی کوئی شے ہے
اور اس میں ایک شدّت بھی
تری نسبت سے ہر دم جاگ اُٹھتی ہے
مگر یہ بات ہے پردے سے اس جانب
کوئی ایسے، بنا دیکھے، یہ کیسے جان سکتا ہے
کہ یادوں کے سمندر کی سبک رفتار لہروں سے
بدن بھی ٹوٹ سکتا ہے

مرے اعصاب شل کرکے کوئی مجھ کو بلاتا ہے —
اسے یہ اچھا لگتا ہے —
بہت سی اس طرح کی ناشنیدہ داستانیں ہیں
لہُو کا منجمند ہونا — دلوں کا بے صدا ہونا
گلوں کا رنگ اڑ جانا — ہمارا بے نوا ہونا
مگر ایسا تو ہوتا ہے
کوئی اِک شخص روتا ہے
کوئی اک شخص ہنستا ہے
مجھے احساس رہتا ہے — مگر اک سوچ ہے دل میں
کہ یہ احساس بھی کتنی بُری شے ہے
یہی احساس بن جاتا ہے زنجیریں
مگر ہم کیا کریں اس کا
کُھلے رستے پہ جایا بھی نہیں جاتا

اک بات ہے

چلیں ہم فرض کر لیتے ہیں
مل جاتے اگر ہم بھی
تو کیا ہوتا — یہی ہوتا
کہیں سے مانگ میں تیری ستارے بھی اُتر آتے
تمہاری جھیل آنکھوں میں نظارے بھی اُتر آتے

محبّت کے حسیں لمحے نکل آتے سرابوں سے
ہمارا دھیان بھی آخر پلٹ آتا گلابوں سے
خزاں آثار موسم بھی بہاروں میں بدل جاتے
جو بحرِ دل میں طوفاں تھے کناروں میں بدل جاتے
چلیں ہم فرض کر لیتے ہیں
مل جاتے اگر ہم بھی تو کیا ہوتا — یہی ہوتا

ہمارا راستہ سجتا تو سجتا کہکشانوں میں
ہماری منزلیں ہوتیں نئے روشن جہانوں میں
کہیں ہم سیر کو جاتے کہیں ہم آ کے سستاتے
کہیں پھر لے کے انگڑائی ہوا کے ساتھ لہراتے
چلیں ہم فرض کر لیتے ہیں
مل جاتے اگر ہم بھی تو کیا ہوتا — یہی ہوتا
یہی ہوتا — تو کیا ہوتا؟

کیوں ؟

آ
مجھے احساس دِلا
مرا ہونا
اور نہ ہونا کیا
اس میں انعام ہے میرا
کہ ملی مجھ کو سزا ؟

آ

کوئی بات سُنا

کوئی راز بتا

مجھے خود سے ملا

یا

ہو کوئی

تجھ سے ہی مِلتا جلتا

جا مجھے چھوڑ دے تنہا

مجھے کیوں کر

یہ خیال آیا

بے ربط سی باتوں کا

جا جا

کچھ نہیں بابا

مَیں

مَیں لوگوں پر ہنستا رہا

خود مَیں کیا کیا بنتا رہا

لیکن یہ احساس نہ تھا

مَیں ہُوں مٹّی کا پتلا

یا پھر کانچ کے ڈبّے میں

کانچ کا ایک کھلونا سا

روہی کا نشہ

روہی اندر جب آیا میں
دل پہ کُھلا اک بھید
تم ہو تیز ہواؤں جیسی
مَیں صحرا کی ریت

ردِّ عمل

ایک تو مکھڑا گلابی ہو
اور پھر آنکھ شرابی ہو
کیونکر پھر نہ خرابی ہو

آنکھوں کا جادُو

گہری جھیل سی آنکھوں میں
ڈال کے کالا کاجل
اِک معصُوم سے راہی کو
کر دیا تُو نے پاگل

○

ساون آیا موسم بھیگا یاد کسی کی آئی
مٹیاروں نے جھولے ڈالے مست ہوا لہرائی

پھول سے کومل مکھڑوں پر جو پڑیں وہ تیز پھواریں
آنکھوں میں سب رنگ اُترے اور سانسوں میں مہکاریں۔
کان کے اندر سوچ نے جیسے بھر دی ہو شہنائی
ساون آیا موسم بھیگا یاد کسی کی آئی

جب وہ سکھیوں کے جُھرمٹ میں آکر جُھولا جھُولے
چلتا چلتا راہی اپنا رستہ کیوں نہ بھُولے
اک چھوٹی سی پیار کی بدلی آنکھوں پہ ہے چھائی
ساون آیا موسم بھیگا یاد کسی کی آئی

بادل پی کر خشک زمیں نے اپنی پیاس بجھائی
سُوکھے بوٹے ہرے ہُوئے اور جاگی ساری خدائی
میرے مَن میں اس پانی نے کیوں پھر آگ لگائی
ساون آیا موسم بھیگا یاد کسی کی آئی

○

چھنکیں میری چوڑیاں جب بھی خوشی کوئی آئے
آنکھ میں کاجل چمکے اور آنچل لہرائے

رنگ برنگی چوڑیاں اور موسم کے رنگ
میرا تو تن مَن ڈولے ہے تیز ہوا کے سنگ
مجھ سے میرا سایا جانے کیوں شرمائے
آنکھ میں کاجل چمکے اور آنچل لہرائے

آؤ چڑھائیں چوڑیاں اور پھر ڈالیں جھُولے
ہم ہیں وہی شہزادی ہے جو آکاش کو چھُولے
سنگ ہمارے ہر سُو ساون شور مچائے
آنکھ میں کاجل چمکے اور آنچل لہرائے

دل سی یہ نازک چوڑیاں دیکھنا ٹوٹ نہ جائیں
کیوں یہ چھنن چھن چھنکیں ہیں جب بھی وہ ملنے آئیں
اُس کے پیار کی خوشبو آنگن کو مہکائے
آنکھ میں کاجل چمکے اور آنچل لہرائے

○

سوچ رکھّا ہے کبھی ایسا مقام آئے گا
ایک آنسو کی طرح تُو بھی بکھر جائے گا

کیا ہُوا مجھ کو اگر چھوڑ دیا ہے تُو نے
کیا ہُوا دل بھی اگر توڑ دیا ہے تُو نے
تُو بھی میری ہی طرح ٹوٹ کے لوٹ آئے گا
ایک آنسو کی طرح تُو بھی بکھر جائے گا

میں ہُوا گم تو زمانے میں مجھے ڈھونڈے گا
تُو محبّت کے فسانے میں مجھے ڈھونڈے گا
داستاں میری زمانہ کبھی دہرائے گا
ایک آنسو کی طرح تُو بھی بکھر جائے گا

تُو نے جو ظلم کیا اس کی سزا تجھ کو ملے
تُو نے جو کچھ بھی کیا اس کا صِلہ تجھ کو ملے
چین کہتے ہیں جسے تو نہ کبھی پائے گا
ایک آنسو کی طرح تو بھی بِکھر جائے گا

○

موج میں آ کر جب بہتے ہیں بادل چاند ہَوا اور مَیں
تنہا تنہا کیوں رہتے ہیں، بادل چاند ہَوا اور مَیں

کُھلی ہُوئی کھڑکی سے چھن کر چاندنی آنے لگتی ہے
دیواروں کی محفل میں تنہائی گانے لگتی ہے
ان لمحات کا دُکھ سہتے ہیں، بادل چاند ہَوا اور مَیں
موج میں آ کر جب بہتے ہیں بادل چاند ہَوا اور مَیں

سبز رُتوں کی جھلمل میں جب شاخیں پھول اٹھاتی ہیں
پیڑ خوشی سے جُھوم اُٹھتے ہیں اور ہوائیں گاتی ہیں
بہکے بہکے سے رہتے ہیں، بادل چاند ہوا اور مَیں
موج میں آ کر جب بہتے ہیں بادل چاند ہوا اور مَیں

میرے دل میں روشنی بن کر یاد کسی کی آتی ہے
آنکھ ستاروں کی رم جھم میں بجلی سی لہراتی ہے
ایسی رُت میں غزل کہتے ہیں بادل چاند ہوا اور مَیں
موج میں آ کر جب بہتے ہیں بادل چاند ہوا اور مَیں
تنہا تنہا کیوں رہتے ہیں بادل چاند ہوا اور مَیں

○

انکھیوں کے رستے دل کے نگر میں آتے جاتے ہی رہنا
پیار کے نغمے شیریں لبوں سے مجھ کو سناتے ہی رہنا

ایک ہی جیسے لوگ ہیں سارے کس کس کو ہم جانیں
ہم کو نہیں جب مانتی دُنیا کیوں ہم اس کو مانیں
اپنی محبّت اور کہاں تک سب سے چھپاتے ہی رہنا
انکھیوں کے رستے دل کے نگر میں آتے جاتے ہی رہنا

جھیل کنارے تیز ہوا میں جب آنچل لہرائیں
آنکھ سے آنسو ابر کی صُورت خود ہی برستے جائیں
یادوں میں آکر اپنی محبّت تم دہراتے ہی رہنا
اکھیوں کے رستے دل کے نگر میں آتے جاتے ہی رہنا

آدمی تنہا ہوتا ہے جس دَم خود سے بھی ڈر جاتا ہے
شام سے پہلے رات کا منظر دل میں اُتر جاتا ہے
ایسے میں آکر پلکوں پہ میری دیپ جلاتے ہی رہنا
اکھیوں کے رستے دل کے نگر میں آتے جاتے ہی رہنا

○

رہتے ہیں تازہ ہردم
اپنے دل کے موسم

اس میں بچھڑے ملتے ہیں
زخم دلوں کے سلتے ہیں
پھُول خوشی کے کھلتے ہیں
رنگ اُترتے ہیں چھم چھم
رہتے ہیں تازہ ہردم
اپنے دل کے موسم

بادل اُڑتے جاتے ہیں
سائے سے لہراتے ہیں
پنچھی شور مچاتے ہیں
بولتے ہیں پھر سب غم
رہتے ہیں تازہ ہر دم
اپنے دل کے موسم

بات انوکھی ہے یہ
لوگ کہیں گے پاگل
ہم نے تو دیکھے اکثر
نیناں اندر بادل

گرج گرج کر ہنستے بھی ہیں
بجلی بن کر برستے بھی ہیں
رونے کو یہ ترستے بھی ہیں
آنکھ میں لے کر کاجل
ہم نے تو دیکھے اکثر
نیناں اندر بادل
بات انوکھی ہے یہ
لوگ کہیں گے پاگل

جانتا ہے بس دل ہی

ان چیزوں کے بارے

ہم نے تو دیکھے لوگو

پلکوں کے اُوپر تارے

چندا سے وہ ڈرتے بھی ہیں

اُس سے "چہلیں" کرتے بھی ہیں

اور اُسی پہ مرتے بھی ہیں

قُدرت کے ہیں نظارے

ہم نے تو دیکھے لوگو

پلکوں کے اوپر تارے

جانتا ہے بس دل ہی

ان چیزوں کے بارے

○

تُو جو نظروں سے مری دُور ہوا ہے تو مجھے کیا

تُو جو کچھ اور بھی مشہور ہوا ہے تو مجھے کیا

تنگ آیا تھا محبّت سے، میں نفرت تری پاکر

کتنی شدّت سے بڑھی آگ مرے دل کو جلاکر

دل بھی تیرا تھا، اگر چُور ہُوا ہے تو مجھے کیا

تُو جو نظروں سے مری دُور ہُوا ہے تو مجھے کیا

ہاں مقدّر مرا ایسے ہی بگڑنے کے لیے تھا
تیرا ملنا ہی حقیقت میں بچھڑنے کے لیے تھا
تُو جو سچ مچ میں بھی مجبور ہُوا ہے تو مجھے کیا
تُو جو نظروں سے مری دور ہُوا ہے تو مجھے کیا

مَیں نے شکوہ جو کیا اس کا مجھے حق تو نہیں تھا
تو کہ پہنچا ہے جہاں تیرا ٹھکانہ بھی وہیں تھا
تُو اگر اور بھی مغرور ہُوا ہے تو مجھے کیا
تُو جو نظروں سے مری دُور ہُوا ہے تو مجھے کیا

○

چاروں جانب سبز سویرا اور اس کی مہکار
دیکھو آئی بہار، دیکھو آئی بہار

پھُول پھُول یہ پھیلی خوشبو تتلی تتلی رنگ
شجر شجر لہراتی شاخیں مست ہَوا کے سنگ
رنگ برنگے منظر ہر سُو نہیں ہے کوئی شمار
دیکھو آئی بہار، دیکھو آئی بہار

میٹھی میٹھی دُھوپ میں بچے مزے سے جھولا جھولیں
اور خوشی سے چیخیں جب وہ اک دوجے کو چھو لیں
کتنا دلکش ہے یہ پھولوں کا تہوار
دیکھو آئی بہار، دیکھو آئی بہار

کرن کرن جب بدلا موسم سب گُل بوٹے مہکے
ٹہنی ٹہنی اُتری خوشیاں پنچھی سارے چہکے
نیلے پیلے رنگوں پر ہے خوشبوؤں کا حصار
دیکھو آئی بہار، دیکھو آئی بہار

چاند اور تارے کی روشنائی جھنڈے کی ہریالی
آؤ مل کر رب سے مانگیں خوشیاں اور خوشحالی

پاکستان ہمارے اوپر رب کا اِک احسان
دنیا اندر ملی ہے ہم کو اپنی بھی پہچان
اپنے اُوپر فرض بنی ہے اب اس کی رکھوالی
آؤ مل کر رب سے مانگیں خوشیاں اور خوشحالی

سمجھ لیں گر ہم تھوڑا سا تو بات ہے سیدھی سادی
اس کے ساتھ وجود ہے اپنا اور اپنی آزادی
اپنے دریا، اپنی دھرتی، اپنے ہل اور ہالی
آؤ مل کر سب سے مانگیں خوشیاں اور خوشحالی

اس کی مٹی سانسوں میں اپنی پل پل خوشبو گھولے
اور محبّت اس کی خود ہی نس نس سے پھر بولے
ہنستی بستی رہے یہ دھرتی سوہنی کرماں والی،
آؤ مل کر رب سے مانگیں خوشیاں اور خوشحالی

○

قائد اور اقبال کے صدقے بدل گئیں تقدیریں
چاند کو دیکھا خوابوں میں اور چاندنی میں تعبیریں

گھٹن کا موسم ختم ہوا تو چلیں وہ تیز ہوائیں
گُل بُوٹے لہرائے سارے باہوں میں ڈال کے باہیں
بادل جھیل کے پانی اندر تکتے رہے تصویریں
چاند کو دیکھا خوابوں میں اور چاندنی میں تعبیریں

لفظوں کو گویائی ملی اور وہ بھی کتابوں میں بولے
آزادی نے سوچوں والے سب دروازے کھولے
ہوگئیں روشن ہاتھوں پر پھر چھپی ہوئی تحریریں
چاند کو دیکھا خوابوں میں اور چاندنی میں تعبیریں

ہم کو ملے پھر اپنے موسم اور اپنے نظّارے
قُدرت نے بھی جھولی میں اپنی ڈال دیے سب تارے
لوگوں کے ماتھے پر چمکیں خوشی کی سب تنویریں
چاند کو دیکھا خوابوں میں اور چاندنی میں تعبیریں

○

سوچنا ہے ہمیں کو وطن کے لیے
اک نئے رنگ سے اک نئے ڈھنگ سے

منزلوں کی طرف جب بھی نکلیں گے ہم
راستہ ڈھونڈ لیں گے ہمارے قدم
ہم نکالیں گے چشمہ ہر اک سنگ سے
اک نئے رنگ سے اک نئے ڈھنگ سے

ہم پہ رحمت کی کالی گھٹا چھائے گی
آنکھ میں ایک بجلی سی لہرائے گی
لوگ دیکھیں گے سب کچھ کھڑے دنگ سے
اک نئے انگ سے اک نئے ڈھنگ سے

ہم کو اپنی وطن دوستی کی قسم
دشمنی پر جو اُتریں تو دشمن ہیں ہم
ہم کہ ڈرتے نہیں پھر کسی جنگ سے
اک نئے انگ سے اک نئے ڈھنگ سے
سوچنا ہے ہمیں کو وطن کے لیے

○

چاروں صوبوں کی پہچان
اپنا پیارا پاکستان
چاند ہے اس کی زمیں
کوئی بھی ایسا نہیں
یہ اپنا ایمان —— اپنا پیارا پاکستان

اس پہ نبیؐ کی رحمت، اس پہ خدا کا سایہ
جس نے ہر مشکل میں اس کو آن بچایا
اس پر اپنا یقیں
چاند ہے اس کی زمیں
کوئی بھی ایسا نہیں
یہ اپنا ایمان —— اپنا پیارا پاکستان

اس سے اپنی بہاریں، اس سے اپنے نظارے

اس میں پیار کی خوشبو اور دھنک رنگ سارے

ہر موسم ہے حسیں

چاند ہے اس کی زمیں

کوئی بھی ایسا نہیں

یہ اپنا ایمان —— اپنا پیارا پاکستان

اپنی جان سے بڑھ کر اس کو پیار کریں گے

اس کی مانگ میں افشاں تاروں سے لے کے بھریں گے

چمکے گی اس کی جبیں

چاند ہے اس کی زمیں

کوئی بھی ایسا نہیں

یہ اپنا ایمان —— اپنا پیارا پاکستان

حرفِ تمنّا

انگریزی ادب کے اُستاد جواں سال شاعر سعد اللہ شاہ — جن کی بے تکان شاعری کے حاصلات اور فکر و فن کے ثمرات اور تعقل کی موشگافیاں حرفِ زیست کی بوقلمونیوں کے باوصف راقم الحروف اردو شعری مجموعہ جات کی صورت میں دیکھ اور پرکھ چکا ہے — جب انہوں نے ۲۷ جولائی ۱۹۹۳ء کو لاہور ٹیلی وژن سنٹر میں اپنے خیالات و افکار کا خام مسودہ بعنوان "تشنگی باقی رہے گی" عنایت فرمایا تو میں لرز اُٹھا یہ میرے اندر کی چونکاہٹ تھی کیونکہ انہوں نے مجھ سے باقاعدہ کتاب کا دیباچہ لکھنے کو فرمایا اور بڑے پُر اعتماد لہجے سے بے لاگ تجزیہ، تبصرہ اور نقد و نظر کرنے کو کہا۔ یقیناً یہ میرے لیے بالکل انوکھا اور قطعاً پہلا تجربہ تھا بلکہ اخوت کا چیلنج اور دوستی کا ایک امتحان بھی —

شعر سے میری واقفیت اور اُنس واجبی سا ہے مگر شاعری تو تاحال صد ہزار کوشش کے باوجود بھی ذریعہ عزت نہیں بن سکی — حرفِ دُعا و مقصود گذارشِ احوالِ واقعی تذکارِ زیست کئی رقیبے جذبوں کی کسک بن کر ذہن و دل کی ٹٹول اور تخئیل کی ڈھونڈ اور ذوقِ تفلسف کی کھوج بن گئے — گناہِ بے گناہی — پناہِ بے پناہی

کا ادراک ہمہ گیر تنوّع کی آشنائی سے بہرہ مند ہو تو لذتِ آشنائی کا تلذذ لمسِ احساس کا حوالہ بن جاتا ہے۔ یقیناً شعر کہنا اور لکھنا یا اسے یاد رکھنا ہر کسے را کارِ نیست کے مصداق جوئے شیر لانے والی بات ہے — شاعری شعور کی ترجمانی ہے یا زبانِ احساس و اظہارِ وابستگی کا مرموزِ حرفِ ذات اس پر تو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور ابھی مزید کئی اضافے بھی ہوں گے موسیقی لاریب لسانِ جذبات ہے مگر شعر ایک نغمۂ ناتمام اور رقصِ ادراک ہے — فکر کا تعمق جب زخمۂ حرف سے تعلق جوڑتا ہے تو پھر ایک جوہرِ عقل وضیاً اور تحرکِ رنگ و نور تاکیدی نمود و وقوع پذیری کے عمل سے استنباط کر کے عصری منطق کی رُوح کا نباض بن کر شاعری کی صورت جلوہ گر ہوتا ہے — لفظ اور حرف کے تعاملی رشتے اور ارتباطی زاویے ارادی تفہیم کے اطلاقی استیعاب کے عکس و آہنگ میں تشکیل پا کر تاریخ کے کئی ہڑپے اور بازار گد اور اخمنا موہنجوڈارو اور گنگوتریاں بن کر جدّت کو مطالب اور اظہار کی قوت کو کئی نام اور حوالے دیتے ہیں — یقیناً خرد اور اختیار کا جو رشتہ برطانوی فلسفی برٹینڈ رسل نے ڈھونڈنے کی کاوش کی تھی وہ کسی بھی قادر الکلام شخص اور رویوں کے اظہار کے علامتی خوگر شاعرِ استحضار اور صاحبِ حال مست فن کار کے لیے فقط ایک جذبے کی تجسیم یا ایک احساس کی تفہیم کے لیے شعر کی تخلیق سے زیادہ پر تپاک نہیں ہوگا تہذیب اور فن کی تاریخ کا مطالعہ یہ باور کراتا ہے کہ انسان نے تنہائی میں صرف گانے یا شعر کہنے کی خواہش ہی اپنی یگانگت کا آفاقی فطری اور دائمی تسلسلِ ذات و زیستِ بشری بنایا ہوگا — انسان کچھ بھی تو کر سکتا ہے مگر شعر کہنا اور نغمہ گانا خلافِ فطرت اپنی استعداد کی علتِ نمائی نہیں بنا سکتا۔

سعد اللہ شاہ کے شعر کی فراوانیاں اور شعوری بے تکانیاں حرف کے ردم

کی شناخت سے ان کی آشنائی کے قرب کی بدولت ہیں۔ راقم الحروف ہزار کوشش اور کاوش خواہش اور سعیِ پیہم و مسلسل کے باوجود برسوں تک ایک شعر کہنے کی طاقت، صلاحیت اور استعدادیت سے عاری ہے۔ شعر گوئی پر پیداواریت کے کلیے صادق نہیں ہو سکتے ایسا کرنا فکر کو تربیلا بند میں مقید کر کے من پسند سپل وے سے گزارنا ہوگا۔ بقول حضرت علامہ سر ڈاکٹر محمد اقبالؒ شعر کہنا نبوّت کردن اور شعریت کا تخلیقی عمل ان کے نزدیک الہام اور وحی کے منظوماتی شاخسانے کے دوامی تسلسل کا وصفی رویّہ ہے۔ علامہ اقبال نے گوئٹے کو قرآنِ حکیم کے جواز اور اثبات میں خود اپنی وارداتِ قلبی کی شناخت تخلیقِ شعر کے کسی علم کی فیناتی و ہیبت کے وجدانی ربط کی روانی کے بارے میں اپنی علمی حیرانی اور فکری وضاحت کے سکوت کے اثبات کے جبر کی ناتمام منطق کی قطعیت سے کروائی تھی۔

سعد اللہ شاہ نے صدیاں اور احوال و ظروف نہیں بلکہ خود لاتعداد انسانی قرون اور متعدد نوری سالوں کی گردشوں کے حصاروں نے اس کو دریافت کیا ہے — وہ ماضی حال اور مستقبل کا ایک اشاریہ اور بشر یاتی تعاملی فکر کا عندیاتی تاثل ہے — صاف الفاظ ہیں سعد اللہ شاہ کی زیرِ نظر کتاب اس کے اب تک کے شعری تسلسل کا ایک رکابی پیرایہ ہے۔ اس کا شعر اور استعدادِ شعریت شعور کے ساتھ چور قدمیت سے چلتے ہیں — وہ تعصبات، بداعتمادیوں، نفرتوں اور خوف کے سوتوں میں اپنی ذات کے کرب مجتمع اور مرتکز نہیں رکھتا بلکہ بجائے خود اپنے شعور کی مجلس کا خود ہی میرِ مجلس ہے وہ اپنی محفل کی آپ ہی شمع ہے۔ وہ تخیل ثمر بار کی بہار آفرینی کا طلسم حرف کی زبان بناتا ہے — ۲ جولائی ۱۹۷۲ء کے شملہ معاہدے نے جو نیا پاکستان تلخ اور ناگوار حقیقتوں کے منطقی پس منظر سے تخلیق کیا ہے وہ اس کی فکر کے سفر کی جولان گاہ محبت

اور ذوقِ طلب کی آگہی کا مسکن اس کی امنگوں کا مرکز اور بلند آدرشوں کا عُرج ہے
وہ اجتماعی تحکم کا خوگر مگر نرگسیت کی کشادگی کا حُسن اچھالنے اور اوصاف کی اکائیاں اُجالنے
والا تشہیر کار پرچارک ہے ــــ وہ ایک ماہرِ فن ضرور ہے مگر ایک ضرورت مند پروپیگنڈہ
باز نہیں ہے ــــ امن، انسانیت، دوستی، ترقی اور قوم پرستی اس کی ناتوانی اور محرومی کا
تشخص اور حوالۂ ذات ہے۔ وہ بندۂ زیست نہیں جویائے زیست ضرور ہے۔ اسکی
شاعری کا سفر لازماً ۱۹۷۵ء سے ہی شروع ہوا ہے مگر اس کے شعور کی کھنگی بُدھ مت
سے ماقبل ہے ــــ خدا اس کے شعری شعور کی اکائی اور فکر و نظر کا نکتۂ آغاز ہے جبکہ "دشمن"
اس کا اہرمن اور راون یا شیطانِ ابلیس ہے۔ اگرچہ وہ اعلان نہیں کرتا مگر اس کا شعری
ابلاغ یہ باور کرنے پر دال کرتا ہے کہ سعد اللہ شاہ کی شاعری خالصتاً اس کی عقل و خرد،
محنت و جفاکشی بلکہ خود دریافتگی کا ماحصل اور حسین ثمرہ ہے ــــ اس کے فکر میں بے مقصد
عسکریت نہیں، بے تکان محبت ضرور ہے۔ وہ مرزا غالب مرحوم کی طرح مشکل پسند
نہیں بلکہ اقبال کی طرح سہولت پسند سمجھوتہ باز فطرت شناس ہے۔ اس کی ہر کتاب ایک
پڑاؤ ہے ــــ اس کا فکر جمود آشنا نہیں ہے ــــ وہ عدمِ تشدد کا ایک خاموش مجاہد
اور خود رو پودا ہے ــــ سعد اللہ شاہ میں تردد، اغماض، تعرض یا ٹھہراؤ نہیں البتہ اہتمامی
جھجک ضرور بدرجہ اُتم پائی جاتی ہے ــــ ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنی منفرد ڈکشن رکھتا ہے۔
کئی حوالوں سے وارث شاہ، غالب اور صوفی بھگت کبیر اور نانک
میں بھی اس کی ڈکشن کا ارتعاش ہے ــــ میرے نزدیک وہ ایک طویل اور نا تمام
نغمے کو شاعری میں گا رہا ہے۔ وہ مدت سے ایک لمبی چیخ اور کوک سے فکر کی تسلی
کی بُلاہٹ کا انداز اُبھارنے کی کوشش میں مگن ہے ــــ وہ درد نواز اور درد آشنا
بھی ہے بلکہ درد کے حصول کی آرزو بھی اپنے دُعائیے کا ابتدائیہ بناتا ہے ــــ یہ شعر

اس کا ثبوت ہے کہ

ع جن کو تو نے درد دیا ہے اچھے وہ ہیں
میری آنکھوں کو بھی بھگونا اللہ سوہنا

وہ متشکک تو ہے مگر انجانے خوف سے ٹھٹھرا اور سہما ہوا سرائی جیل کا قیدی
محسوس نہیں ہوتا وہ جذبوں کا صادق اور امین بن کر جا بجا یہ اعلان بالجہر کرتا پھرتا ہے کہ

کتنی صدیاں بندھیں میرے پیروں تلے پھر بھی احساس ہے
منزلیں ہیں وہی اور وہی رہگزر اشک تھمتے نہیں

وہ چھیڑنے اور غصہ دلانے کے لیے اپنا نام تو غالب یا اسد نہیں رکھتا لیکن
اس کے اندر اس کا بچپن ضرور مستور ہے۔
ایک بے انا محبت ہی اس کا دائمی منشور ہے۔ ہر علاقے کا صوفی اس میں
اپنی جھانک رکھتا ہے۔ یہ مصرعے تصوف کی غمازی کرتے ہیں ــــ

رُوٹھ جاتا ہے میں جب اس کو منانا چاہوں

ہے محبت تو محبت میں انا کیا معنی

سلطان باہُوؒ نے نفی اور اثبات کے پانی سے مُرشد کے باغِ عدن کی
جس بُوٹی کا ذکر کیا تھا، وہ فی الحقیقت حضرت بُلھے شاہ کا ٹاں دا کلبوت ہے،
جس کے اندر خود خدا داخل ہو کر مرتقار ہو چکا ہے۔ ایک نہ ختم ہونے والا مہا یُدھ
نیکی بدی کی جنگ ہے جو کہ احکاماتِ عشرہ اور آیاتِ بینات کی استدلالی بُنیاد
ہے۔ چنانچہ سعد اللہ شاہ نے ایسی کمال کی آنکھ لڑائی کہ اسے جدل آشنا ہو کر یہ اقرار
کرنا پڑا ہے کہ ــــ

میرے اندر لڑائی جاری ہے

محبوب کی عاشق کے دل میں کئی ہزار شکلیں ہوتی ہیں، بالکل جیسے کوئی آئینہ ٹوٹ گیا ہو۔ ایک اجنبی جذبے کی ترجمانی یہ شعر بخوبی کرتا ہے کہ ——

ٹوٹا کچھ اس کمال سے دل کا یہ آئینہ
بٹ کر جو کرچیوں میں بھی اچھا لگا مجھے

پیار کے امتحان میں بھی اس کی اَنا ایک نجی انسکبار رکھتی ہے وہ کہتا ہے کہ ——

ہم بھی اَنا پرست ہیں بس ٹوٹ جائیں گے
لیکن زبان سے نہ کبھی اُف کہیں گے ہم

اس کے سانسوں کی حرارت جل کر بجھ جانے والی شمع سے مستعار ہے۔ وہ حقیقت کو عامۃ الناس کی تشنیع کے ترازو میں تول کر بازار لگانے کا خواہاں محسوس نہیں ہوتا لیکن اس کا یہ معنی خیز انکسار فلسفۂ تناسخ کا جدید صادِ اثبات ہے کہ ——

اپنی مٹھی میں کوئی بھی لمحہ نہیں
اور کہنے کو ہم کتنے برسوں جیئے

سعد اللہ شاہ عشق میں عجز و انجذاب کا ہی نہیں بلکہ نقد و نظر کا بھی تیشہ گر ہے۔ وہ احتجاج کرتا ہے کہ ——

اس سے بہتر ہے چُپ رہیں ہم
ایک پتھر سے بولنا کیوں

وہ عشق میں متردد نہیں لیکن بے تکان، شرمیلا اور محجوب صاف گو ضرور ہے یعنی اس کا یہ اعتراف بے مقصد یا محض جذباتیت نہیں بلکہ بے ساختگی کی والہانہ وارفتگی

ہے کہ ——

دل میں جھانکا تو یہ محسوس ہوا
من پہ اپنے ہے حیا کی لوئی

زیر نظر کتاب سعد اللہ شاہ کے سارے شعری پس منظر کی جھانک کا اعادہ لازم کرتی ہے۔ وہ پیاسی آنکھ کا بادل ہے۔ اس کی طبیعتِ وحشت سرشت کی خود کلامی یہ ہے کہ ——

وحشت میں ہم گھر سے نکلے اور پہنچے صحرا میں
پھرتے رہے ہم تنہا تنہا ٹھنڈی آہیں بھرتے

اس کا یہ اعلانِ اعتراف دلیل الزام کی چُبھن رکھتا ہے کہ ——

اِس طرف وارفتگی ہے اُس طرف اِک تشنگی
سوچ تجھ کو کیا ملا ہے پھر اُدھر جانے کے بعد

راون کے دس سر اور کئی ہزار رُوپ اٹل ہیں — یہی وہ احساس ہے جو کہ شاعر کو اپنے سائے کا اسیر ہونے سے بے رباعنی بناتا ہے۔ وہ حبابوں کے وہم کے کرب سے آشنا ہے۔ سحابوں کا یہ ارضی چاند کہتا ہے کہ ——

پیاسی آنکھ سرابوں میں
جیسے رنگ گلابوں میں

سعد اللہ شاہ کی شاعری فن اور قوتِ اظہار کے حوالے سے صوبہ پنجاب کے سید الشعراء اور پاکستان کے ملک الشعراء آج کے دور کے نبّاضِ شعور جناب احمد ندیم قاسمی اور سرکردہ ماہر تعلیم جناب خواجہ زکریا نے جو کچھ اب تک کہا ہوا ہے، وہ کئی لحاظ سے وقیع اور کافی حد تک پہلو دار سچائی ہے جس کے ہر در میں الگ معنی نکالنا ہر آزاد

کا استحقاق ہے —— سعداللہ شاہ اس دور کی دریافت اور نوجوان نسل کے شعور کا ترجمان اور عصری شناخت ہے۔ وہ پروین شاکر اور دیگر روایت پسندوں کی طرح چربہ ساز اور بخیہ گر نہیں ہے بلکہ وہ خود اپنی ہی محنت، عقل، جفاکشی اور تبحرِ خرد کی تخلیق اور عصری دور کی ضرورت کی دریافت ہے۔ وہ ماقبل و ماسبق کا ترجمان نہیں بلکہ از خود ایک حوالۂ استقبال ہے۔ وہ خوابیدگی میں چلتا نہیں، ہاں گنگناتا اور بڑبڑاتا ضرور ہے لیکن باتیں اپنی ہی کرتا ہے۔ اس کی لڑائی اپنی بھی ہے اور اپنوں سے ہی ہے۔ اس کی حقیقت پسندی ماورائیت کا تعارف تو کراتی ہے مگر کوئی ماورائے خیال الجھن نہیں ہے —— منیر نیازی، شہزاد احمد، ظفر اقبال، علی اکبر عباس، محمد سلیم طاہر، خالد احمد، نجیب احمد، عدیم ہاشمی اور آنے والی نسلوں کے سبھی ترجمان، شاعر، ادیب اور فن کار، نباضِ تمدن ایک ہی عصری قبیلے کے لوگ ہیں۔ اسلوب اور اختیارِ اظہار ان کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک حقیقت پسندانہ جذبات نگاری ان کا شعری و فنی حسن ہے۔ آج کی جواں نسل بجا طور پر اپنے ترجمانوں کی تخلیقی صلاحیتوں کی استعدادیت پر فخر کر سکتی ہے کیونکہ جس قدر بورژوا حقیقت نگاری ۴۷ سالوں میں اب دیکھنے میں آ رہی ہے، وہ پرولتاری حقیقت نگاروں کی محنت کا ثمرہ ہی نہیں، ترقی پسند تحریک کی کامیابیوں کا تکملہ بھی ہے اور انقلابیت کا رواں مرحلے میں لمحۂ موجود کی ادراکی لغات کا تتمہ بھی ہے —— کتاب جدید شعری ادب میں نئے رویوں کی عکاس اور کثیر الجہات سمتوں کی نشاندہی بھی کراتی ہے۔ شاعر کا شعور ارتقائی سفر کا بے تکان مسافر ہے۔

(سیّد انوار غالب / انوار مزدکی)